مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سُود)

بعض دوستوں نے تجارتی سُود یا کمرشل انٹرسٹ کو سُود کی حرمت سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور آیت مذکورہ کے آخری حصہ "لاتَظلِمون ولاتُظلَمون" کو سُود کی حرمت کے لئے شرط قرار دینا چاہا ہے۔ اور اس طرح تجارتی سُود کو "عن تراضٍ منکم" کی صف میں لا کر حلّت کا راستہ ہموار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو ان سے ہم مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی آیات کے ساتھ استہزاء نہ کریں۔ یہ ٹکڑا تو سودی کاروبار کو ختم کرنے کی ایک احسن صورت پیش کر رہا ہے۔ نہ کہ سُود کیلئے کوئی چور دروازہ کھول رہا ہے۔ سیاق وسباق سے بالکل واضح ہے کہ خدا تعالیٰ یہاں غیر مشروط طور پر ہر قسم کے سُود کو حرام قرار دے رہے ہیں۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ غلط تاویلات کے ذریعے حرام کو حلال کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب - ان الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون" (۱۶/۱۱۶)

کہ "جو جھوٹ موٹ تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں، تو یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، یوں تم اللہ تعالیٰ پر بہت جھوٹا بہتان باندھتے ہو۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام باندھیں، کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔"

حلّت اور حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے، یا پھر اللہ کے نبی کے لئے، جو کہ دراصل خدا ہی کے احکامات کا پیغامبر ہوتا ہے اور اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا۔ پھر جو لوگ حرام کو حلال بنانے کی جسارت کرتے ہیں، تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟

فی زمانہ ان لوگوں نے، جن میں چند علماء بھی شامل ہیں، لوگوں کو غلط تاویلات کے ذریعہ شک کی گنجائش دے دی ہے۔ لہٰذا ایسے اہم امور میں شک کی گنجائش کے متعلق بھی ارشاداتِ نبوی سن لیجئے:

"عن نعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الحلال بیّن و الحرام بیّن و بینہما متشبہات لا یعلمھن کثیرا من الناس فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام۔" (متفق علیہ)

حضرت نعمانؓ بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تو جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچتا رہا، اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو پاک کر لیا اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑے گا۔"

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

"عن الحسن بن علی قال حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "دع ما یریبک الی ما لا یریبک فان الصدق طمانینۃ وان الکذب ریبۃ۔" (احمد، ترمذی، نسائی)

"حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات یاد رکھی ہے، جس بات میں شک پڑے اس کو چھوڑ دو اور جسمیں شک نہ ہو، اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔ کیونکہ سچ اطمینان کا باعث ہوتا ہے اور باطل شک و تردد کا۔"

ایک دفعہ آپؐ نے ایک صحابی وابصہؓ بن معبد کو تاکید فرمائی کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ لوگ حرام چیزوں کو حلال قرار دینے لگیں، بلکہ اس کے فتوے بھی دینے لگ جائیں، پھر بھی اپنے دل سے پوچھو کہ کیا وہ مطمئن ہے!

"عن وابصۃ بن معبد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا وابصۃ جئت تسئل عن البر و الاثم؟ قلت نعم، قال، فجمع اصابعہ فضرب بھا صدری و قال استفت نفسک، استفت قلبک ثلاثا ما اطمانت الیہ النفس واطمأن الیہ القلب والاثم ما حاک فی النفس و تردد فی الصدر وان افتاک الناس۔"

(احمد والدارمی)

"وابصہؓ بن معبد سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے وابصہ تو نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آیا ہے، میں نے کہا، جی ہاں، تو آپؐ نے اپنی انگلیاں اکٹھی کیں اور انہیں میرے سینے پر مارا اور فرمایا، اپنے نفس سے پوچھ، اپنے دل سے پوچھ، آپؐ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دوہرائے۔ پھر فرمایا، نیکی وہ ہے جس سے تیرا نفس مطمئن ہو جائے اور تیرا دل مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تیرے سینے میں تردد پیدا ہو۔ اگرچہ لوگ تجھے (کچھ اور) فتوی دیں۔" (احمد، دارمی)۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ گناہ والے کام سے قلبِ سلیم (ضمیر) میں تذبذب، کھٹکا ضرور پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ خلش اور تذبذب انسان کو وقتاً فوقتاً اس غلط کام سے باز رہنے پر متنبہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ مجھے ایک نہایت کاروباری آدمی سے اس سلسلہ میں بات چیت کا موقع ملا۔ جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کمرشل انٹرسٹ پر موصوف کا اپنا ضمیر بھی مطمئن نہیں۔ کہنے لگے، اگر تجارتی سود فی الواقع جرم ہے تو پھر ہم مجرم ہیں۔ گویا انہوں نے شک سے فی الواقع کچھ گنجائش نکالنے کی کوشش کی مگر انکا اپنا قلبِ سلیم تذبذب میں مبتلا تھا۔

ان واضح احادیث کی موجودگی میں تجارتی سود کی حلت کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ نہ ان طفل تسلیوں سے اتنے عظیم گناہ میں کمی ہو سکتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے بھلے دیندار اور باریش لوگ بھی اس لعنت میں مبتلا ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ کاروبار میں مجبوریاں پیش آ جاتی ہیں۔ اضطراری حالت میں تو اللہ تعالیٰ گنجائش ویسے ہی دیتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اپنے ہوسِ زر کی پیاس بجھانے کی خاطر کاروبار کو وسیع کرنے کی کوشش کرنا کون سی مجبوری ہے؟ وہ کچھ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، مگر خوئے بد را بہانہ بسیار سے زیادہ اس کی کچھ حقیقت نہ تھی۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لمیٹڈ کمپنیاں جو قرآنِ کریم کی طباعت و اشاعت کا کام کرتی ہیں اور دینی و اسلامی کتب شائع کرتی ہیں وہ بھی لوگوں سے سودی رقوم وصول کر کے اپنا کاروبار چلا رہی ہیں۔ قرآنِ کریم کی اشاعت جیسا مقدس کام اور پھر سودی رقوم سے! نعوذ باللہ من ذالک! کیا اس سے بڑھ کر بھی قرآنِ عزیز کی توہین ہو سکتی ہے؟ اچھے بھلے متدین و سمجھدار لوگ بھی اس چکر میں پھنسے ہوئے ہیں تو پھر عوام الناس کا بھلا کیا حال ہوگا؟

چو کفر از کعبہ خیزد کجا ماند مسلمانی!

اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کا بھوت کچھ اس طرح ہمارے سروں پر سوار ہے کہ اس بیماری سے

نہ کوئی عابد و زاہد محفوظ ہے نہ ایک جاہل و عام آدمی ۔ معیارِ زندگی بلند کرنے، فرنیچر اور دوسرا گھر کا سامان بہتر سے بہتر رکھنے اور کھانے، پینے، پہننے میں مسابقت ہی زندگی کا اصل مقصد قرار پا چکا ہے ۔ دریں حالات جاہل آدمی تو اپنی لاعلمی کی بنا پر ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے میں کچھ معذور سمجھا جا سکتا ہے ۔ لیکن ایک دانا بینا شخص جو جانتے بوجھتے ہوئے اسی ڈگر پر چل نکلا ہے، تو یہ قومی زوال کی ایک علامت اور قہرِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے ۔

مسابقت کا جذبہ انسان میں فطرتاً موجود ہے ۔ لیکن اسلام نے اس کا رخ دوسری طرف موڑ دیا ہے ۔ "**فاستبقوا الخیرات**" کا حکم دے کر انسان کے اس جذبۂ مسابقت کی پیاس بھی بجھا دی ہے اور معاشرے کی اصلاح کا راستہ بھی ہموار کر دیا ہے ۔ چنانچہ نہایت واضح الفاظ میں فرمایا:

"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

کہ "تم میں سب سے زیادہ قابلِ عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"

یعنی، ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑائی کا معیار تقویٰ قرار دیا ہے ۔ لیکن ہم مسلمان دوسری شرعی و اخلاقی اقدار کی طرح یہ قدر بھی کھو بیٹھے ہیں ۔ اور اس کی جگہ دولت کی پرستش شروع ہو گئی ہے ۔ پھر اسے حاصل کرنے کے لئے تمام جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی خاطر غلط اور من مانی تاویلات کرنے کی ضرورت بھی پیش آ گئی ۔

اگر ہم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضؓ کی طرح سادہ زندگی گذارنے پر اکتفا کرتے تو صرف یہی سلامتی کا راستہ تھا ۔

یہاں ایک اور بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے ۔ وہ یہ کہ معاشرہ کی اقدار پر قوم کے سربراہ کے طرزِ بود و ماند کا بھی گہرا اثر ہوتا ہے ۔ وہ اگر عیاش اور فضول خرچ ہوگا تو قوم بھی اسی ڈگر پر چل نکلے گی ۔ اور اگر وہ غریبوں کا ہمدرد اور ان کی عمومی استعداد کے مطابق اپنی زندگی میں سادگی کو ترجیح دیگا تو نہ صرف ساری قوم کو ان فضول مسرفانہ تعیشات سے نجات دیگا بلکہ ان کو خوشحال زندگی کی راہ پر ڈال دیگا اور اس معاشرہ سے بہت سی برائیاں از خود ناپید ہوتی جائیں گی ۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "**الفقر فخری**" کہہ کر ہمیشہ اپنی زندگی میں سادگی کو اپنایا اور آپؐ کی متابعت میں خلفائے راشدین بھی سادگی پر جیئے ۔ غور فرمائیے کہ اگر معاشرہ میں سادہ زندگی گذارنے کی ریت پڑ جائے تو پھر ہوسِ زر، اور اس کے جلو میں آنے والی بے شمار اخلاقی و مالی و معاشرتی خرابیاں خود بخود ختم ہو جائیں اور ضرورت سے زیادہ پیسے کیلئے تگ و دو کرنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے ۔

سیونگ سرٹیفیکیٹ :

فی زمانہ سود کی بے شمار اقسام رواج پا چکی ہیں - کچھ حکومت کی تحویل میں ہیں اور کچھ بنکوں کی تحویل میں، اور پھر آجکل تو بنک بھی نیشنلائز ہو چکے ہیں - لہٰذا یہ سب کچھ حکومت ہی کی طرف سے منسوب ہو گا - سیونگ سرٹیفیکیٹ، نیشنل سیونگ سرٹیفیکیٹ، نیشنل ڈیپازٹ وغیرہ اور قومی بچت کے دیگر مراکز جو کچھ کر رہے ہیں، سب سودی کاروبار ہے۔

ڈس کاؤنٹ (DISCOUNT)

سود کی ایک اور قسم ہے جسے DISCOUNT یا ہنڈی بھی کہتے ہیں - اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس کسی معتبر پارٹی کا پوسٹ ڈیٹ لبد کی تاریخ کا چیک یا ہنڈی یا دستاویز ہے اور وہ فوری طور پر اس کی رقم حاصل کرنا چاہتا ہے - تو بینک یا کوئی اور پارٹی اس سے کچھ کٹوتی کر کے، جو مروجہ شرح سے تقریباً کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے، رقم دے دیتے ہیں، یہ بھی سود ہی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ہمارے یہاں آجکل سرکاری ٹھیکیدار کسی بڑی سڑک پر بھرتی ڈلوا رہے ہیں، اور ٹرکوں کے ذریعہ بھرتی کا کام ہو رہا ہے - اب کوئی ٹرک شام تک جتنے پھیرے لگائیگا، وہ ساتھ ساتھ وصولی کی رسیدیں وصول کرتا رہے گا - ان کی ادائیگی ایک ہفتہ کے بعد کسی مقررہ دن پر ہوتی ہے - اب کوئی ٹرک کا مالک جس کے پاس ایسی پچاس رسیدیں (پرچیاں) اکٹھی ہو گئی ہیں، اسے یک لخت کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے اور اجرت کی وصولی میں ابھی چار پانچ دن باقی ہیں، تو وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ پرچیاں کم قیمت پر دینے پر راضی ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی ساتھی اسے لینے پر راضی ہو جاتا ہے (مثلاً ۲۵ روپے کی پرچی ۲۰ روپے میں دینے کی شرط قرار پاتی ہے اور ٹرک والا چونکہ حاجت مند ہے اس لئے وہ یہ نقصان اٹھانے پر مجبور رہے) اس کاروبار میں پچاس پرچیاں خریدنے والا شخص بیٹھے بٹھائے صرف چار یا پانچ دن کے عوض اپنے ضرورت مند بھائی کو ۲۵۰/ روپے کا نقصان پہنچاتا ہے، شرعاً یہ خالص سود ہے اور اسی کو DISCOUNT یا منی کاٹا کہا جاتا ہے - یہ کاروبار صرف بنکوں میں نہیں بلکہ پرائیویٹ طور پر بھی ہو رہا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ نہ لینے والے کو علم ہے کہ وہ سود لے رہا ہے اور نہ دینے والے کو علم ہے کہ وہ سود دے رہا ہے —— اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائیں!

اس کے علاوہ آجکل بہت سی اشیاء ماہوار قسطوں پر فروخت ہو رہی ہیں، بجلی کے پنکھے، استریاں، زمینوں کے پلاٹ وغیرہ، اور ان کی صورت یہ ہے کہ نقد کم قیمت ہوتی ہے اور قسطوں پر تقریباً ڈیوڑھی ہو جاتی ہے - یہ کاروبار بھی اسی ضمن میں آتا ہے - لہٰذا ان سب صورتوں سے مسلمانوں کو پرہیز لازم ہے،

جو اس وقت تک منظرِ عام پر آچکی ہیں اور ان سے بھی جو ابھی جنم لے رہی ہیں یا لیں گی۔

بیمہ اور انعامی بانڈ

موجودہ زمانہ کی لعنتوں میں سے ایک اور لعنت بیمہ ہے۔ جو پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں رہی ہے اسے بھی حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو مجبوراً زندگی اور املاک کا بیمہ کرانا پڑتا ہے۔ ملک کے طول و عرض میں بیشمار بیمہ کمپنیاں بیمہ کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ پہلے تو یہ کمپنیاں صرف زندگی اور املاک کا بیمہ کرتی تھیں۔ اب انہوں نے اپنا دائرۂ کار وسیع کر لیا ہے۔ یہ لوگ بھی چونکہ اپنے کاروبار کے جواز کے فتوے ساتھ لئے پھرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو ہر طرح پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا بیمہ اور اس کے اجزائے ترکیبی پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔

بیمہ اور اس کی شرائط:

بیمہ کمپنیاں زیادہ تر زندگی اور املاک مثلاً عمارات، موٹریں، بسیں، جہاز، کارخانے، وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں۔ طریق کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے تو بیمہ کمپنی کا ڈاکٹر آکر اس کی صحت کا معائنہ کرکے اندازہ کرتا ہے کہ یہ بیمہ دار اتنی مدت مثلاً ۲۰ سال تک طبعی طور پر زندہ رہنے کے قابل ہے اب بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان ایک معاہدہ طے پاتا ہے۔ بیمہ دار جتنی رقم کا بیمہ کرانا چاہتا ہے، اسے سالانہ اقساط میں تقسیم کرکے بالاقساط بیمہ کمپنی کو دیتا رہتا ہے۔ شرائط بالعموم یہ ہوتی ہیں:

۱۔ اگر بیمہ دار اپنی مدتِ مقررہ تک زندہ رہے اور اقساط ادا کرتا رہے تو اس مدت کے اختتام پر اسکو اس کی تمام جمع شدہ رقم مع مقررہ شرح سود، جسے بیمہ کمپنی کی اصطلاح میں ایک معصوم سا نام، "بونس" دیا گیا ہے، ادا کر دی جاتی ہے۔

۲۔ اگر دوران مدتِ بیمہ، بیمہ دار طبعی طور پر یا کسی حادثہ کے نتیجے میں مر جاتا ہے تو اس کی اب تک کی جمع شدہ رقم مع شرح سود، اس کے ورثا کو جنہیں وہ خود ہی معاہدہ میں نامزد کر چکا ہوتا ہے، مل جاتی ہے۔ اور ادائیگی اقساط کی مدت جتنی کم ہو، اتنی ہی شرح سود زیادہ ہوتی ہے۔

۳۔ بیمہ دار اگر کسی خاص مجبوری سے یا بالارادہ اقساط دینا چھوڑ دے تو پہلی جمع ادا کردہ اقساط بحق کمپنی ضبط متصور ہوتی ہیں۔ الّا یہ کہ پالیسی پھر سے شروع کر دی جائے اور درمیانی اقساط بھی یکمشت ادا کر دی جائیں۔ کچھ مدت پہلے تو پالیسی چھوڑنے کی صورت میں اپنی ادا کردہ رقم کی واپسی بہرحال ناممکن تھی۔ آجکل مدتِ معاہدہ سے قبل پالیسی سرینڈر کروانے پر ۹۰ % رقم واپس مل جاتی ہے۔

بیمہ پالیسی کا تجزیہ :

املاک کے بیمہ میں بھی عموماً یہی شرائط طے پاتی ہیں :

اب اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ بیمہ پالیسی تین بڑے بڑے جرائم سے ترکیب پاتی ہے۔

شرط نمبر۱ میں صاف واضح ہے کہ یہ سودی کاروبار ہے جس کی حرمت میں کسی قسم کا شک نہیں۔

شرط نمبر۲ قمار یا جوا سے متعلق ہے۔ ایک آدمی ایک آدھ قسط ادا کرنے کے بعد جاں بحق ہو جاتا ہے تو اس کی ادا کردہ رقم سے کئی گنا زائد رقم اسے کیونکر مل جاتی ہے ؛ تھوڑی سی محنت کے بعد اتفاقی طور پر بہت زیادہ رقم کا مل جانا ، اسی کا نام قمار اور جوا ہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی بنا پر اپنی اقساط جاری نہیں رکھ سکتا تو شریعت اس کی جمع شدہ رقم ، ساری یا اس کا کچھ حصہ ضبط کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔

۴۔ جوا اور سود کے علاوہ بیمہ میں جو مزید شرعی قباحت ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت نہ بیمہ دار کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی اقساط ادا کر سکے گا اور اسے کیا ملے گا اور نہ بیمہ کمپنی کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا وصول کر سکے گی اور اسے کیا کچھ ادائیگی کرنا پڑے گی۔ لہٰذا یہ سودا بازی بیع غرر (دھوکہ کی بیع) ہوگی جو قطعاً ناجائز ہے (بیع غرر کی مفصل تعریف اپنے مقام پر ملاحظہ فرمایئے)

انعامی بانڈ

سود اور قمار بازی چونکہ قطعی طور پر حرام ہیں لہٰذا سود خور اور قمار باز (خواہ وہ حکومت ہی ہو) ، ان کی عام شکل میں تبدیلی کر کے ، ان چیزوں کو نئے روپ میں پیش کر کے لوگوں کو پھانستے رہتے ہیں۔ قمار کی تعریف یہ ہے کہ " محنت کے بغیر کسی گرانقدر رقم کا بطورِ حق مل جانا۔ اب نچلی سطح پر تو یہ اخلاقی جرم قرار دیا گیا ہے۔ اور قمار خانوں پر چھاپے بھی آئے دن پڑتے رہتے ہیں۔ مگر ریس کورس اور لاٹریاں وغیرہ بھی تو سب قمار ہی کی شکلیں ہیں۔ لیکن ان سے چونکہ " مہذب " لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے ، لہٰذا یہ قانوناً جائز متصور ہوتی ہیں۔ جبکہ شرعاً ان کا کوئی جواز نہیں ، شکل بدلنے یا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔

قرآنِ کریم نے جوا کیلئے قمار کے بجائے لفظ " میسر " استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں " آسانی سے دستیاب ہو جانے والی چیز یا رقم۔ ارشادِ ربانی ہے :

" یسئلونک عن الخمر والمیسر " (۲/۲۱۹)

کہہ دے رسولؐ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں "

دوسرے مقام پہ ارشاد ہوتا ہے :

" انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان " (الخ ۹۰/۵)

" اے ایمان والو! شراب اور جوا اور فال نکالنے کے تیر سب شیطانی عمل کی وجہ سے ناپاک ہیں "

انعامی بانڈ بھی دراصل سود اور جوئے کی ایک شکل ہے۔ حکومت عوام الناس سے سُود کا نام لئے بغیر رقم حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس نے ایک نہایت خوبصورت سا نام وضع کر لیا ہے۔ اس طرح یہ کاروبار بھی دھڑا دھڑ شروع ہو گیا۔ ہر دو ماہ بعد جو انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ وہ دراصل اس جمع شدہ رقم کا دو ماہ کا سُود ہوتا ہے جو سب حصہ داروں میں یکساں تقسیم کرنے کے بجائے چند ایک کو بذریعہ قرعہ اندازی دے دیا جاتا ہے۔ یہاں اس ناپاک چیز "سود" کا نام "انعام" رکھ دیا گیا ہے۔ قرعہ اندازی سے یہ رقم کسی کو عطا کرنا، یہی کچھ لاٹری میں ہوتا ہے۔ یہ سب قمار بازی کی مختلف شکلیں ہیں۔

ذخیرہ اندوزی، گرانی اور کنٹرول

زمیندار اور تاجر لوگ اپنی ہوسِ زر پوری کرنے کے لئے بسا اوقات زمین سے حاصل شدہ یا خرید کردہ جنس کی فروخت بند کر دیتے ہیں۔ اس انتظار میں کہ جب بھاؤ گراں سے گراں تر ہو جائے تو اس وقت فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ نفع کمائیں۔ اسی کا نام ذخیرہ اندوزی ہے۔ اور شرعی اصطلاح میں اسے "احتکار" کہا جاتا ہے اور یہ احتکار حرام ہے۔ ذخیرہ اندوزوں نے اسے "آزاد تجارت" کا معصوم سا نام دیکر حلال وطیب بنانے کی کوشش کی ہے۔ مگر درحقیقت یہ غریب عوام کا استحصال ہے۔

ذخیرہ اندوزی کا ملکی معیشت پر اثر :

ذخیرہ اندوزی ملکی معیشت پہ یوں اثر انداز ہوتی ہے کہ بہت سی جنس بازار میں جانے سے رُک جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جنس کا بھاؤ تیز ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کا بار غریب عوام پر پڑتا ہے۔ جبکہ زمیندار اور تاجر اپنی اس محفوظ کردہ جنس کی بدولت بہت زیادہ فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی اور بینک کا کردار :

بعض دفعہ تاجر لوگ بنک سے مزید قرضہ حاصل کرنے کے لئے اپنی جنس بنک کی تحویل میں دے دیتے ہیں۔ یہ گویا "زیرِ ضمانت" ہے جسے عرفِ عام میں (PLEDGE) کہا جاتا ہے۔ اس زرِ ضمانت کے عوض بنک قرضہ دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ کاروبار اب اتنا عام ہو گیا ہے کہ منڈی کا ہر تاجر

اسی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے کہ اپنی جنس بینک کے پاس رکھ کر زیادہ سے زیادہ سودی قرضہ حاصل کر سکے۔

سرمایہ دار اور بینک کی ملی بھگت سے غریب عوام پہ گرانی کی دوہری لعنت مسلط ہو جاتی ہے۔ موجودہ گرانی کا ایک بڑا سبب بھی یہی ہے۔ اس کاروبار میں بینک اس لحاظ سے فائدہ میں رہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ رقم سودی کاروبار پر لگا سکتا ہے جبکہ زرِ ضمانت اس کے پاس پہلے سے ہی موجود ہے اور سرمایہ دار اس بات سے فائدہ اٹھاتا ہے کہ اس کی محفوظ جنس کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے اور آئندہ کے لئے وہ مزید رقم لے کر کاروبار وسیع کرتا اور نفع کماتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کے یہ تباہ کن اثرات حکومت کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ اور اب تو حکومت مجبوراً ایسا قانون بنانے پر غور کر رہی ہے جس سے UNPLEDGED کے کاروبار کو قانوناً بند کر دیا جائے۔

اب احتکار کے متعلق ارشاداتِ نبویؐ ملاحظہ فرمائیے۔

ارشاداتِ نبویؐ:

"عن معاذ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "بئس العبد المحتکر ان ارخص اللہ الاسعار، حزن وان اغلاھا فرح" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورزین)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: ذخیرہ اندوز بہت برا آدمی ہے، اگر اللہ تعالیٰ بھاؤ ارزاں کر دے تو اسے غم لگ جاتا ہے اور اگر تیز ہو جائیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔"

ذخیرہ اندوز ملعون ہے:

ارشادِ نبوی ہے:

"عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون" (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بازار میں سودا لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔"

زیادہ نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے فروختنی مال کو جلد از جلد فروخت کیا جائے اور اسی رقم سے نیا مال خرید کر پھر فروخت کیا جائے اور ایک سال میں کئی بار یہ چکر چلتا رہے۔ یہ شرعی

نقطۂ نظر سے پسندیدہ اور ملکی معیشت کیلئے بھی بہت مفید ہے۔ دوسری صورت ذخیرہ اندوزی ہے جو مذموم بھی ہے اور ملکی معیشت پر تباہ کن اثرات کی حامل ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے ذخیرہ اندوز پر لعنت فرمائی ہے۔

"عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " من احتکر طعاما اربعین یوما یرید بہ الغلاء فقد برئ من اللہ وبرئ اللہ منہ" (رزین)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی اجناس (اشیائے خورد و نوش) کو مہنگا ہونے کے ارادہ پر روک رکھے، بیشک اللہ اس سے بیزار ہے اور وہ اللہ سے بیزار ہے"

ذخیرہ اندوزی کا دائرہ:

ویسے تو ہر چیز کی ذخیرہ اندوزی ہو سکتی ہے۔ لیکن احادیث میں احتکار کا اطلاق عموماً طعام کے لئے آیا ہے۔ اور جو جنس بھی کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے یعنی تمام اجناس خوردنی اور اشیائے خورد و نوش وغیرہ۔ ان سب پر یہ احکام درجہ بدرجہ لاگو ہوتے ہیں۔ ذخیرہ اندوز دراصل عوام کی معاشی ابتری اور اقتصادی بدحالی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے اجناس کا ذخیرہ کرتا ہے۔ آخر جب اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں اور عوام گرانی کے ہاتھوں فاقہ کشی پر مجبور ہو جاتے ہیں تو وہ ان کی نازک حالت پر رحم کرنے کے بجائے ان کی مجبوری میں ان کا زیادہ سے زیادہ استحصال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احتکار اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر بعد میں ذخیرہ کی ہوئی جنس صدقہ بھی کر دی جائے تو بھی اس گناہ کا کفارہ نہیں بن سکتی۔

"عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال " من احتکر طعاما اربعین یوما ثم تصدق بہ لم یکن لہ کفارۃ" (رزین)

"ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غلّہ کو چالیس دن تک بند رکھے، پھر اسے صدقہ کر دے تو بھی اس کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا"

باقی ایسی اشیاء جن کا تعلق خورد و نوش سے نہیں مثلاً عمارتی سامان، کپڑا وغیرہ تو ان میں ذخیرہ اندوزی سے بچنا ہی بہتر ہے۔

کنٹرول

احتکار کے علاوہ ایک اور چیز بھی بازار سے اشیائے ضرورت کے غائب اور نتیجۃً گراں ہونے کا

سبب بنتی ہے وہ کنٹرول ہے جس چیز پر حکومت کنٹرول کرلیتی ہے، وہ ضرورت کے مطابق عوام کو مہیا نہیں کرسکتی (ورنہ اس کے کنٹرول کرنے کا جواز ہی کوئی نہیں) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بلیک مارکیٹ بہت زیادہ چڑھ جاتی ہے۔ کوئی چیز کسی وقت بھی درحقیقت بازار سے ناپید نہیں ہوتی بلکہ خفیہ طور پر مہنگے داموں فروخت ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا کنٹرول کے مضر اثرات اس کے نفع بخش اثرات سے بڑھ جاتے ہیں۔ عہد نبوی میں ایک دفعہ غلہ کے بھاؤ چڑھنے لگے۔ یہ صورتِ حال آپؐ کے سامنے رکھ کر آپؐ سے کنٹرول کی استدعا کی گئی تو آپؐ نے فرمایا:

"ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجوان القی ربی ولیس احد منکم یطلبنی بمظلمۃ بدمٍ ولا مالٍ" (رواہ الترمذی، ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا، رزق کا تنگ کرنے والا اور فراخ کرنے والا اور روزی دینے والا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر کسی کا کوئی خونی یا مالی حق نہ ہو"

حدیثِ بالا کا آخری حصہ قابلِ توجہ ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ "میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے رب کو اس حال میں ملوں کہ مجھ پر کسی کا کچھ مالی یا خونی حق نہ ہو" معلوم ہوا کہ اشیاء پر کنٹرول کرنا، بائع پر یا مشتری پر، کسی نہ کسی پر ظلم ضرور ہے۔ جس کی ذمہ داری آپؐ قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

کنٹرول کے موقع پر جابجا اس چیز کے ڈپو مقرر کردیئے جاتے ہیں۔ جہاں سے وہ چیز، کنٹرول کے نرخ پر دستیاب ہوسکے۔ اور حکومت کے منظور شدہ کارڈوں پر ملے۔ یہ طریقہ طرح طرح کی بددیانتی کو جنم دیتا اور فروغ بخشتا ہے۔ سب سے زیادہ بددیانتی خود ڈپو ہولڈر کرتے ہیں جو کسی صاحبِ حق اور صحیح مستحق شخص کو ٹرخانے اور کسی دوسرے کو (بطورِ رشوت) زیادہ دے کر نوازتے ہیں اور پھر کچھ مال بلیک میں بیچتے اور اپنے ہاتھ رنگتے ہیں۔ اس طرح چور بازاری کا ایک نیا بازار قائم ہوجاتا ہے۔

کنٹرول کے نقصانات:

بہرحال کنٹرول میں مندرجہ ذیل قباحتیں موجود ہیں:

۱۔ قرآنِ کریم کے مطابق سودا بازی میں بائع اور مشتری کی رضامندی ضروری شرط ہے۔ جو یہاں پوری نہیں ہوتی۔ خریدار چیز لینے پر مجبور ہوتا ہے، اسے جس بھاؤ پر بھی ملے۔

۲۔ کنٹرول شدہ اشیاء بقدرِ ضرورت دستیاب نہیں ہوتیں بلکہ بازار سے غائب ہوجاتی ہیں۔

۳ ۔ پھر بلیک کا ایک نیا بازار کھل جاتا ہے جس کے منہ مانگے دام مشتری ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
۴۔ کنٹرول شدہ اشیاء میں ملاوٹ شروع ہو جاتی ہے۔
۵ ۔ بہت سی اخلاقی بیماریاں کاروباری دنیا میں راہ پا جاتی ہیں۔
لہٰذا کنٹرول ہماری شرع کے مزاج کے منافی ہے۔

پھر اسلام میں سرے سے چور بازاری کا وجود ہے ہی نہیں! اور چور بازاری اشیاء کے کنٹرول کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا کنٹرول کا اسلامی معاشرہ متحمل نہیں ہو سکتا اور بلیک مارکیٹنگ کا وجود بھی اس معاشرہ میں یکسر ناپید ہوتا ہے ——— اسلامی معاشرہ میں چونکہ تجارت بالکل آزاد ہے اس لئے ہر چیز کھلے بندوں کھلے بازار میں فروخت ہو گی۔

کسٹم اور سمگلنگ:

اسلام، اشیاء کی درآمد و برآمد پر خواہ وہ اندرونِ ملک ہو یا بیرونِ ممالک میں، کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ آزاد تجارت کا حامی ہونے کی وجہ سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے محصول چنگیوں کا کاروبار بھی سراسر ناجائز ہے۔ ہمارے معاشرہ میں ایک اور لعنت جو رواج پا چکی ہے، سمگلنگ ہے۔ لوگ محصول چنگی سے بچنے کی خاطر اپنا درآمدی یا برآمدی سامان چوری چھپے پار کر جاتے ہیں اور اس طرح چونگی ٹیکس یا کسٹم سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی کا نام سمگلنگ ہے جس کا وجود غیر اسلامی اصولِ تجارت کا مرہونِ منت ہے۔

آزادانہ تجارت اور کسٹم:

کسٹم سے متعلق ہمیں تاریخ سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں غیر ملکی تاجروں سے اپنی بندرگاہوں پر اترنے والے مال پر کچھ کسٹم وصول کیا تھا، وہ بھی جوابی کارروائی کے طور پر صرف ان ملکوں کے تاجروں سے جنہوں نے پہلے مسلمان تاجروں سے کسٹم وصول کرنا شروع کیا۔ لیکن ہمارے ہاں جس کثرت سے اندرونِ ملک ہی جابجا محصول چونگیاں قائم کر دی گئی ہیں اور جس عمومیت سے بندرگاہوں پر، اپنوں سے، غیروں سے، نجی مال پر بھی اور تجارتی سامان پر بھی کسٹم وصول کیا جا رہا ہے اس کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔